Advertisement at Urdu Palace

Are you looking for an affordable website to advertise your business?
Urdu Palace offers lowest rates for all advertisers.
For Advertisement of your brand or business on our website call us or contact through

Whatsapp on following numbers:+92-348-8709449,+92-303-5110135

سچا مکمل ناول

یہ زندگی

خالدہ نسیم

آج بھی موسم گرما کی ویسی ہی ستاروں بھری رات ہے۔ ستمبر کی حبس زدہ رات، اندھیری رات..... اور میں آج سے بیس سال پہلے گزری رات کی طرح آسمان پر اپنی تقدیر کا ستارہ تلاش کر رہی ہوں۔ میرے مقدر کا ستارہ ہر بار ہاتھ میں آکر کیوں کھو جاتا ہے۔ مانا وہ عورت تو خوب صورت تھی جس کی خاطر میرے خاوند نے مجھے، اپنے چھ بچوں کی ماں کو چھوڑ دیا۔ اور آج..... کیا آج پھر میں نے اپنی کم رنگت کی وجہ سے

مات کھائی ہے؟ نہیں، اس بار ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس نے مجھے یہ یقین دلایا تھا کہ صورت سب کچھ نہیں ہوتی تو پھر کیا میری قسمت ہر بار مجھے دھوکا دیتی ہے۔ نہیں، مجھے اپنی قسمت سے کوئی شکایت نہیں..... مجھے زندگی میں سب کچھ ملا..... جس کی کوئی بھی عورت تمنا کرسکتی ہے۔ تو پھر یہ جدائی..... ایک دوسری عورت کا تصور مجھے کیوں چین نہیں لینے دے رہا۔ اس بار میں نے اپنی خوشی سے اجازت دی ہے۔ آخر ساری قربانیاں وہی کیوں دیتا۔ مجھ پر بھی تو کچھ قرض بنتا تھا ناں..... احسان چکانے کا موقع..... سب تسلیوں کے باوجود دل کے مقام پر جو ایک کسک رہ، رہ کر اٹھتی ہے میں اس کا علاج کیا کروں..... اتنے عرصے کی رفاقت، ایک بھرپور رفاقت کے بعد جدائی برداشت نہیں ہو پائے گی۔ اس نے وعدہ تو کیا ہے کہ مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا۔ مگر کون جانے آنے والا کل کیا لے کر آئے گا یا کیا لے کر جائے گا۔

بڑا کنبہ جہاں بہت سا پیار اور محبت دیتا ہے وہاں بہت سی محرومیاں بھی زندگی میں بھر دیتا ہے۔ ماں گھر کا انتظام بہوؤں کے ہاتھ میں دے دیتی ہے اور باپ ریٹائرڈ ہوجاتا ہے۔ بڑے بیٹوں کو پڑھا لکھا کر چھوٹوں کی ذمّے داری ان کے کاندھوں پر رکھ دیتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی تھا۔ میری اماں کی شادی چودہ برس میں ہوئی اور میری بڑی بہن کی بھی اسی عمر میں۔ آپا کا پانچواں بچہ اور میں اپنے خاندان کا آٹھواں نمبر، ہم عمر تھے۔ والد ہیڈ ماسٹر تھے بڑی بیٹیوں کی شادی کر کے اور تین بیٹوں کو پڑھا لکھا کر افسر بنا کر ریٹائرڈ ہوگئے۔ چونکہ زمین تھی جا کر گاؤں میں رہنے لگے اور ہم دو چھوٹے بچوں کی ذمّے داری بڑے بیٹوں پر آگئی۔ جب میں نے ہوش سنبھالا تو کبھی گاؤں اور کبھی لاہور بھائیوں کے گھر..... بڑے تین بھائیوں کی شادی ہوچکی تھی۔ دونوں بہنیں بھی گھر بار والی تھیں۔ ایک بھائی بی اے کا امتحان دینے والا تھا۔ پھر کافی فرق سے ہم دو چھوٹے بہن اور بھائی تھے۔ کیسی صورت بھی سب سے میل نہ کھاتے تھے..... نہ صورت شکل میں اور نہ ہی ذہانت میں..... اگر کوئی یہ کہہ دیتا کہ یہ لے پالک ہیں تو شک نہ ہوتا۔ مگر باہم پیار اس بات کی نفی کرتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم سب ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے اور.. فرق چاہے صرف سال بھر کا ہو بڑے کے سامنے نگاہ اٹھا کر بات نہیں کرتے تھے۔ بڑے بھائی سیکریٹریٹ میں کام کرتے تھے جو لارڈ صاحب کا دفتر کہلاتا تھا اور پنجابی میں لاٹ صاحب بن گیا تھا۔ انگریزوں کا وقت تھا، گرمیوں کے دو ماہ آفس اور عملہ پہاڑوں پر چلا جاتا..... بھائی شملہ گئے تو باقی لوگوں کا بھی پروگرام بن گیا..... ہم اپنے تیسرے نمبر کے بھائی کے ساتھ چوبرجی کوارٹر میں رہتے تھے۔ دونوں بھائیوں کی بیویاں سگی بہنیں تھیں سب سے بڑے بھائی علیحدہ رہتے تھے۔

بھائی جان کا خط آیا تو چھوٹے بھائی نے ہمیں تیار ہونے کو کہا خاص طور پر گرم کپڑے اور بستر لے جانے کا کہا..... میری اماں سارا دن پردیسی بیٹے کے لیے سوجی کے سموسے، گاجر کا حلوا، مکئی کی میٹھی روٹیاں اور نہ جانے کیا، کیا بناتی رہیں۔ گاجر کا موسم بھی نہیں تھا پتا نہیں کہاں سے لے کر آئیں۔ جب اپنی تیاری کا وقت آیا تو ایک جوڑا پہن لیا اور دوسرا اٹھڑی میں باندھ لیا۔ کھانے کی دوسری چیزیں ایک کنستر میں بھر لیں اور چھوٹا سا تالا لگا دیا۔ صبح، صبح لاہور سے ٹرین جاتی تھی اور اب ہم لوگ یعنی بڑی آپا ان کے پانچ بچے، بھابیاں مع دو بچوں کے میں، میرا چھوٹا بھائی جو مجھ سے پانچ سال بڑے تھے مگر چھوٹے ہی کہلاتے تھے۔ اور میری اماں..... اسٹیشن پر جلدی مچاتے ہوئے میرے منجھلے بھائی جو ہمیں سوار کرانے آئے تھے۔ اماں نے چپل پہنی ہوئی تھی جس کے اوپر چلتے میں کسی کا پاؤں آگیا اور وہ کھل گئی۔ اب چلنا دشوار تھا۔ بھائی نے جلدی مچائی ہوئی تھی اماں نے چپل اتاری اور گٹھڑی میں اڑس لی۔ بھائی کی نظر نہیں پڑی اسی طرح گاڑی میں سوار ہوگئیں..... سفر اتنے سارے لوگوں کے ساتھ کیسا گزرا یہ تو یاد نہیں مگر جب کالکا کے اسٹیشن

پر اترے تو بھائی جان کی نظر اماں کے ننگے پاؤں پر پڑی۔ وہ ایک بڑے آفیسر ہونے کے ساتھ، ساتھ بڑے بھائی بھی تھے۔ اسٹیشن پر سے ایک آنے کا کارڈ خریدا۔ بسم اللہ لکھ کر بھائی کو جھڑکیوں بھرا خط لکھا۔ ماں کو ننگے پاؤں گاڑی میں بٹھاتے تمہیں شرم نہیں آئی دو روپے کی چپل نہیں خرید سکتے تھے۔ اسی طرح کی اور باتیں لکھ کر خط اُن کے دفتر کے پتے پر ڈال دیا۔ پھر کچھ نہ پوچھیں کتنے کارڈ آئے اور کتنے گئے۔ اماں نے دوسرے دن ملازم لڑکے سے جوتی مرمت کروا کر دوبارہ پہن لی اور اسی پرانی جوتی میں واپس لاہور بھی آئیں..... مگر یہ قصہ ایک خاندانی کہانی بن کر چلتا رہا۔

ڈیڑھ ماہ کی چھٹیاں شملہ میں گزاریں، اتنے سارے لوگ دو کمروں میں کیسے رہے تھے ہمیں تو بس یہ یاد ہے کہ محبت سے ہی رہتے تھے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا۔ اگلے دو سالوں میں میرے تین بھائی آگے پیچھے وفات پا گئے۔ سب سے پہلے وہ عجلت پسند بھائی دو ماہ کی بیماری میں ایک دو سال کا بچہ اور جوان بیوی چھوڑ کر فوت ہو گئے پھر سب سے بڑے بھائی جن کے تین بچے تھے۔ ہارٹ فیل ہو گیا اُن کا جو سب سے زیادہ ہنسنے ہنسانے والے تھے۔ کچھ عرصے بعد چھوٹے سے بڑے بھائی جو بی اے کا امتحان دے کر فارغ ہوئے تھے لو لگنے سے بیمار ہوئے اور راہِ عدم کو سدھارے۔ یہ تین جوان بیٹوں کا غم تھا جس نے ہماری ماں اور بڑی بہن کی ہنسی چھین لی۔ میں نے انہیں اپنی پوری زندگی میں کبھی ہنستے تو کجا مسکراتے بھی نہیں دیکھا۔ ایک گہرا جامد غم انہیں اپنی لپیٹ میں لیے رہتا تھا۔ ہم سب کو صبر کی تلقین کرتی وہ خود غم کی تصویر بن کر رہ گئی تھیں۔ میری پڑھائی بھی اس دور میں نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی، کچھ میں خود بھی بے پروا تھی اپنے بھتیجوں سے کھیلتی رہتی یا انہیں کھلاتی رہتی۔ چوبرجی کوارٹرز چھوڑ کر ہم پونچھ روڈ پر دوسرے بھائی کے سرکاری گھر میں آ گئے۔ بہ مشکل میں نے سولہ سال کی عمر میں آٹھویں پاس کی۔ 1947ء کے فسادات شروع ہو گئے۔ لاہور میں بھی روز کوئی نہ کوئی جھگڑا اور فساد ہوتا۔ بڑی بہن اپنے بچوں سمیت انبالہ میں تھیں اور سب کو اُن کی بہت فکر تھی۔ خیر وہ ستمبر کے آخر میں بخیر و عافیت لاہور پہنچ گئیں۔ آرمی میں ہونے کی وجہ سے انہیں لاہور چھاؤنی میں گھر ملا۔ مگر وہ اسکول سے دور تھا۔ میرے بڑے بھائی نے بہنوئی جنہیں ہم بھائی جی کہتے تھے انہیں مشورہ دیا کہ ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے محلوں کے محلے غیر آباد پڑے ہیں، میں آپ کے لیے کوئی اچھا سا گھر دیکھتا ہوں۔ آپ کے نام الاٹ ہو جائے گا اور دو سال میں آپ نے بھی ریٹائر ہو جانا ہے پھر آپ اپنے نام کا کلیم داخل کروا سکیں گے۔ پہلے تو وہ راضی نہ ہوئے مگر پھر اس خیال سے کہ آٹھ بچے ابھی زیرِ تعلیم ہیں انہوں نے ہامی بھر لی۔ اس دوران ان کی پوسٹنگ کوئٹہ ہو گئی تو انہیں جانا پڑا۔ ماموں نے بھانجے، بھانجیوں کی محبت میں کہ وہ اکیلے کیسے رہیں گے اپنا سرکاری گھر چھوڑ دیا اور ساتھ والے گھر میں آ گئے ہم بھی ساتھ تھے۔ یہ تین منزلہ گھر تھا سنسان اور غیر آباد..... درمیان والی منزل اندھیری بھی تھی ہم سب اوپر جانے سے ڈرتے تھے۔ ہمارے ساتھ چھوٹی بھابی جو بڑی بھابی کی بہن تھیں ان کے والد، والدہ سب اکٹھے رہتے تھے۔ ابھی میری بڑی بہن کوئٹہ نہیں گئی تھیں تو میرے لیے ایک رشتہ آ گیا۔ ہمارے پرانے محلے دار تھے۔ کافی پرانی واقفیت تھی اُن کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہوں نے مجھے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ مگر کافی عرصے تک بات آگے نہ بڑھی۔ اس اثنا میں بڑی آپا کوئٹہ ہو کر واپس آ گئیں تو اماں سے رشتے کے بارے میں پوچھا۔ اماں نے لاعلمی ظاہر کی۔ وہ خود ان لوگوں سے ملنے چلی گئیں۔ واپس آئیں تو خاموش تھیں، میں اور اماں، آپا کے گھر میں تھے اماں کے پوچھنے پر انہوں نے بچوں کی پرانی کاپی سے پھاڑا ہوا ایک کاغذ کا ٹکڑا آگے کر دیا۔ اس میں شکستہ لکھائی میں لکھا تھا کہ ..... آپ جس لڑکی کا رشتہ لینے آئی ہیں اس کی شکل تو آپ نے دیکھ ہی لی۔ اسے گھر کا کام بالکل نہیں

آتا سارا دن پلنگ توڑتی ہے اور محلے کے ایک لڑکے کو اپنے پیچھے لگا رکھا ہے۔'' یہ خط جب مہمان عورتیں باہر دروازے سے نکلنے لگیں تو ایک چھوٹے بچے نے ان کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اللہ جانتا ہے کس نے لکھا تھا۔ شکل صورت میری جیسی بھی تھی اللہ نے بنائی تھی۔ عصمت چغتائی کی ٹیڑھی لکیر پڑھ کر دل کو تسلی تھی کہ واجبی صورت والی لڑکیاں بھی ہیروئن ہوسکتی ہیں۔ کام بھی مجھے نہیں آتا تھا سوتی بھی زیادہ تھی یہاں تک تو سب ٹھیک تھا مگر لڑکے والی بات بالکل جھوٹ تھی۔ زندگی تب تک ایک ہلکا پھلکا خواب تھی۔ ان باتوں کی کہاں عقل تھی یا خیال تھا۔ میں رونے لگ گئی۔ آپا نے تسلی دی اور کہا کہ دوبارہ سے پڑھائی شروع کرو۔ اور اس طرح میں اپنے سے تین سال چھوٹی بھانجی کے ساتھ نویں جماعت میں داخل ہوگئی۔

اسکول کی زندگی کیا خوب صورت تھی۔ ہر وقت مصروف، میری بھانجی کھیل کی شوقین تھی اور میں تالیاں بجانے کی جو اس کی کامیابی پر بجاتی تھی دو سال بعد وہ بیسٹ ایتھلیٹ بن گئی خوب کپ اور ٹرافیاں جیتیں اور انتہائی شاندار طریقے سے وہ اور میں امتحان میں فیل ہوگئیں۔ آپا نے غصہ کھا کر مجھے S.V کرنے شرقپور ہاسٹل بھجوادیا اور بھانجی کو دوبارہ دسویں کا امتحان دلوایا۔ میں واپس آئی تو کچھ لوگ مجھے دیکھنے آئے۔ اس دوران بہت سے لوگ ہندوستان سے ہجرت کر کے آچکے تھے دو سال کے عرصے میں سارے گھر اور محلہ آباد ہو چکا تھا حتیٰ کہ جو خالی پلاٹ تھے اُن میں بھی لوگوں نے جھونپڑیاں ڈال لی تھیں..... یہ خاندان بھی امرتسر سے لٹ لٹا کر نیا، نیا محلے میں آیا تھا۔ لڑکے کی ماں اور بھابی رشتہ لے کر آئی تھیں۔ اس بار آپا نے بھابیوں سے ذکر نہ کرنا بہتر سمجھا اور اپنے گھر اُن لوگوں کو بلایا۔ بھائی جان اور آپا میری عمر کے حوالے سے پریشان تھے۔ حالانکہ میں انیس کی ہو کر بیسویں میں لگی تھی مگر اُن کے حساب سے زیادہ کی لگتی تھی۔ رشتہ طے ہوگیا، لڑکے کی پہلی بیوی سے سات سال کی ایک بیٹی تھی اور دورانِ ہجرت بیمار ہو کر بیوی فوت ہوگئی تھی اور اب وہ دوسری شادی کرنا چاہتا تھے۔ لڑکا پڑھا لکھا اور سرکاری نوکر تھا۔ بظاہر سب ٹھیک تھا۔ جہیز، بری کی کوئی ضرورت نہیں یہ بھی انہوں نے کہا۔ کیونکہ ہم تو اپنا سب کچھ امرتسر چھوڑ آئے..... صرف عزت اور شرافت بچی ہے۔ غرض انہوں نے اماں، ابا، بھائی اور آپا کو باتوں سے خوش کر دیا اور سچی بات کہوں مجھے بھی وہ لوگ اچھے لگے تھے۔ ہمارا خمیر محبت سے گندھا ہوا تھا اور اس میں نفرت کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور نہ ہی جھوٹ کی آمیزش تھی۔ سادگی سے شادی ہوگئی اور میں رخصت ہو کر دوسری گلی میں آگئی۔ دولھا (اقبال قریشی) کو دیکھ کر میں دل و جان سے اس پر عاشق ہوگئی، میری سانولی رنگت اور چھوٹے قد کے سامنے وہ لمبا اونچا خوبرو سفید رنگ کا مرد تھا۔ سارا خاندان ہی گورا چٹا تھا۔ ولیمے والے دن میرا تعارف دو اور لوگوں سے ہوا۔ ایک سولہ سال کا لڑکا اور چودہ سال کی بیٹی معلوم ہوا کہ اقبال قریشی صاحب کے ایک نہیں تین بچے ہیں اور عمر اٹھائیس سال نہیں چالیس سال ہے۔ اب کیا ہوسکتا تھا۔ وقت لوٹا نہیں کرتا، گھر میں بے بے جی، چھوٹی بے بے جی..... تین بچے اور دو بھتیجے جو پڑھائی کے لیے چچا اور دادی کے ساتھ رہتے تھے یہ گھر ہندوؤں کا گھر تھا۔ آدھے حصے میں جیٹھ جی اور ان کے چار بچے جو کافی بڑے تھے اور آدھے حصے میں ہم تھے۔ اوپر کے ایک کمرے میں دونوں بے بے جی اور دوسری طرف کے کمرے میں دو بھتیجے اور اقبال صاحب کا بیٹا اور جیٹھ صاحب کا بیٹا رہتے تھے۔ بھرا پُرا گھر تھا، اچھی رونق رہتی تھی سوائے اس کہ کبھی کبھار میری ساس میری رنگت دیکھ کر ہوکا بھرا کرتیں اور میرے قریشی نہ ہونے پر ابھی اعتراض تھا کہ اگلی نسل دوغلی کہلائے گی۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ اگر آپ اہلِ قریشی میں سے ہیں تو اس میں آپ کا کیا کمال ہے اور اگر میں راجپوت ہوں تو اس میں میرا کیا قصور..... ہمیں اپنی ذات پر فخر تھا اور نہ ہی شرمندگی خدا تعالیٰ نے جیسے جہاں پیدا